ذوالقرنین

Cyrus evinced sympathy with the Jews cf. Isaiah xli 2, xliv. 28, xlv. 1, and Ezra i. 2 to 4.

Achaemenes
|
Teispes
|
Cyrus
|
Cambyses
|
Cyrus the Great

ذونواس (یوسف): یہودی ہو گیا اور جو یہودی نہ بنتا اُسے
آگ میں زندہ ڈال دیتا (قرآن سورہ ۸۵)
آنحضرت سے تقریباً ۷۰ سال پہلے تھا۔ حبشہ والوں نے آکر شکست دی اور قتل کر دیا

AZAD, ABUL KALAM

ZULQARNEN

"اصحاب کہف اور ذوالقرنین"

اردو کتابستان لاہور نے شائع کیا تھا

ذوالقرنین کو شمیم بک ڈپو الگ شائع کر دیا ہے

[illegible]

9/6/61

اسلامیات سیریز نمبر ۱۳

ذوالقرنین

مولانا ابوالکلام آزاد

شمیم بک ڈپو۔ ۴ عبدالکریم روڈ، لاہور

قیمت ۱۰ آنے

سورہ کہف میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے، وہ ذوالقرنین کا ہے کیونکہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا کیونکہ سورت مکی ہے۔

قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں۔

اولاً جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے کیونکہ فرمایا "وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ"

ثانیاً اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمران کے لئے ہو سکتا تھا اس کے لئے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کئے۔ پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً اس نے وہاں ایک محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

خامساً وہ ایک عادل حکمران تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں

سول ایجنٹ

ظفر برادرز، ظفر منزل، بنک سکوئر، دی مال لاہور

ظفر احمد قریشی
پرنٹر پبلشر نے منصورہ پریس
لاہور سے
چھپوا کر تسنیم بکڈپو لاہور سے شائع کیا

جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا نہ تو وہ خدا پرست تھا۔ نہ عادل تھا۔ نہ مفتوح قوموں کے لئے فیاض تھا اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہرحال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

دانیال نبی کا خواب

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے۔ یعنی ایک خواب جو انھوں نے بابل کی اسیری کے زمانہ میں دیکھا تھا۔

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لئے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا۔ ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی۔ اُن کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا۔ اُن کے شہر اُجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت دانیال کا ظہور ہوا، جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے۔ انھیں کی نسبت توراۃ میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ "بیلشن فار" شاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ اور اس خواب میں انھیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی۔ چنانچہ کتاب دانیال میں ہے:-

"میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم اترا اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور

کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے ان کیلئے ویسا ہی اجر بھی ہو گا۔ البتہ ڈرنا انھیں چاہئے جو جرم و بد عملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔
سادساً وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔
سابعاً وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا جب ایک قوم نے کہا، یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں۔ ہم خراج دیں گے۔ تو اس نے کہا "ما مکنی فیہ ربی خیر" جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے میں تمہارے خراج کا طامع نہیں۔ یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔
تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں وہی ذوالقرنین ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟
سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی "قرن" کے صاف معنی سینگ کے ہیں پس ذوالقرنین کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو۔ اس لئے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے اس لئے متاخرین کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے۔ اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیئے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں۔ لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل

کئی تھی اس لیئے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لیئے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تصور پیدا ہو گیا ہو۔ یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں تاہم یہ محض ایک قیاس تھا۔ اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیئے - یہ خود سائرس کا ایک سنگی تمثال ہے جو استخر (PASARGADAE) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوا۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ تھا، اس کا بڑا حصہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے۔ مگر جس قدر باقی ہے وہ اس کے لیئے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مادہ اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا۔ اور یقیناً سائرس کو "ذوالقرنین" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے۔

دو سینگوں کا تخیل ابتدا میں کیونکر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یہ تخیل پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ

وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھا پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کے تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا۔ وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بھڑکا، اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے "۔

پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے اور بالوں والا بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں، اس لئے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خواب میں بنی اسرائیل کیلئے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوشحالی کا زمانہ دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا۔ یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا۔ اور پھر اسی کے ذریعہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی چنانچہ برسوں کے بعد سائرس کا ظہور ہوا اس نے میڈیا اور پارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل پر پے در پے حملے کر کے اسے مسخر کر لیا۔

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی

نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے ۔

زمانہ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلا عہد حملۂ اسکندر سے پہلے کا ہے ۔ دوسرا یار تھوی یا ملوک الطوائف کا ۔ تیسرا ساسانی سلاطین کا ۔ فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملۂ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے ۔ لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں ۔ جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں ۔ ان میں زیادہ معتبر تین مورخ ہیں ۔ ہیروڈوٹس (HERODOTUS) ٹی سیاز (CTESIAS) اور زینوفن (XENAPHON)

فتح ایران کے بعد جب عرب مورخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انھیں جس قدر مواد ہاتھ آیا وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا ۔ ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور رامائن کے قصے ہیں ۔ البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں ۔ جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ کو نظم کرنا چاہا تو انھیں عربی میں یہی مواد ملا ، ایرانی گواہوں نے نظم کا جامہ پہنا دیا ۔ پس یہ تمام ذخیرہ قبل از اسکندر عہد کے لئے کچھ سود مند نہیں ہے اور سائرس کے حالات کے لئے ہمیں تمام تر یونانی مورخین کی شہادت ہی پر اعتماد کرنا پڑتا ہے ۔

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی ۔ جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا [1] چونکہ ان

---

[1] دارا کے کتبہ بے ستون میں اس کا نام مادا آیا ہے ۔ اس لئے میڈیا یونانی تلفظ سمجھنا چاہئے عرب مورخوں نے اسے ماہات سے تعبیر کیا ہے ۔

مشکل ہے لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس ہے سے کہ آرٹا زرکسیز سلہ (ارتخششت)

یاد رکھنا چاہئے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں اور اس کی وجہ سے مورخوں سے سخت غلطیاں کی ہیں۔ سائرس کا اصلی نام غالباً گورو یا گوروش تھا، جیساکہ دارا کے کتبۂ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یونانی اسے سائرس (CYRUS) کہنے لگے۔ اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا۔ چنانچہ یسیاہ ارمیاہ اور دانیال کے صحائف میں جابجا یہ نام آیا ہے۔ اور یہی گورش ہے۔ جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ عرب مورخ اسے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں۔

سائرس کا لڑکا کیم بی سیز (CAMBYSES) ہوا۔ یہ بھی یونانی تلفظ ہے۔ اس کا پارسی نام کبوجیہ تھا جس نے یہودیوں اور عربوں کی زبان پر کیقباد کی شکل اختیار کر لی۔ شاہنامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا کیونکہ اس کی بنیاد عربی تراجم پر تھی۔ کیقباد کے بعد دارایوش ہوا۔ جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے۔ دارا کے بعد آرٹازرکسیز ہے۔ اسے تورات میں ارتخششت کے نام سے یاد کیا ہے، اور عربوں میں اردشیر مشہور ہو گیا۔

بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس کو "ذوالقرنین" سمجھا جاتا تھا اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اُسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مورخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ سلہ

سلہ اوّل تک، تمام شہنشاہان پارس انبیاء بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے "ذوالقرنین" کا لقب۔

میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہوگیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایک عظیم شان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی۔

پھر اُس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خونریزیوں کے ذریعہ حاصل کی جاتی تھیں بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لئے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دستگیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکٹر یا (بلخ) تک ایشیا کی تمام عظیم الشان مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو چکی تھیں۔

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پراسرار افسانہ کی نوعیت اختیار کر لی ہے اور ہمیں اُس کی جھلک شاہنامہ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آ جاتی ہے۔ اس کا اُٹھان زندگی کے عام اور معمولی حالات میں نہیں ہوا بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو اسکے نانا اسٹیاگس (ASTYAGES) نے اس کی موت کا سامان کر دیا تھا لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقے پر بچا لیا جاتا ہے۔ اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے۔

پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں۔ اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے۔ اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے، لیکن اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اسکا خیال نہیں گزرتا۔ حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اسکے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے۔

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (LYDIA) کے بادشاہ کروئیسس (CROESUS) سے تھی۔ لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروئیسس کی طرف سے ہوا تھا اور اُس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا۔ لیڈیا

کے ہمسایا میں آشوری اور بابلی حکومتیں انتہائی عروج تک پہنچ چکی تھیں اس لئے قدرتی طور پر یہ ان سے دبی ہوئی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے اُمراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔

۶۱۲ قبل مسیح میں جب نینوا تباہ ہوگیا اور آشوری فرماں روائی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی تو میڈیا کے باشندے آزاد ہوگئے اور بتدریج ایک قومی حکومت نشوونما پانے لگی۔ اسی طرح پارس کے امراء قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکمران خاندان پیدا ہوگیا۔ تاہم یہ دونو مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاہی جسے بخت نصر کی قہارانہ فتحمندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کئے ہوئے تھی۔

سائرس کا ظہور

لیکن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت، غیر معمولی حالات کے اندر اُبھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ گئیں۔ یہ پارس کے اکیمی نیز[1] خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس، عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے کیخسرو کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔ پھر بغیر کسی خونریزی کے

[1] دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلۂ نسب ہخامنش نامی پادشاہ سے ملایا ہے یہی ہخامنش یونانی میں (ACHAEMENES) ہو گیا۔ ہیرو ڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا۔ یعنی اکیمی نیز سے ٹیز پیز (چائش پش) پیدا ہوا۔ اس سے کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) اور اس کمبی سیز سے سائرس۔ سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بھی کم بی سیز رکھا تھا۔

نینوا کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کردی تھیں۔ اور نبوکدرزار (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کرلیا تھا اس کا حملۂ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ وہ صرف بادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے (جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے) نابونی دس (NABONIDUS) کو تخت نشین کیا تھا۔ لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا۔ اسی کی نسبت دانیال نبی کے صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر منے منے تقنیل او فرسین کے الفاظ دیوار پر لکھ دیئے تھے۔ (دانیال ۵:۱)

تمام مورخین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح کوئی شے نہ تھی۔ اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بایں ہمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کے تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چونکہ خود باشندگان شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے اور سائرس کے لئے چشم براہ تھے اس لئے انھوں نے ہر طرح اسکا ساتھ دیا۔ خود بابلی حکومت کا ایک سابق گورنر گوبریاس (GOBRYAS) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اس شخص نے دریا سے نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں

سے مقصود ایشائے کوچک کا مغربی و شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اس کی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی۔ جنگ میں سائرس فتح یاب ہوا لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے البتہ کروئسس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اس کے عزم و ہمت کی آزمائش کیلئے سائرس نے حکم دیا تھا، چیتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مردانہ وار چیتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اسکی جان بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی۔

اس جنگ کے بعد سے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (بلخ) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی۔ یہ مہم ۵۴۰ اور ۵۴۵ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی۔

تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (BELSHAZZAR) [1] کے مظالم سے انہیں نجات دلائے۔

[1] دانیال نبی کی کتاب میں، اسے جابجا "بیلشفار" کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن بابل نے کتبوں سے اس کا صحیح نام جو معلوم ہوا ہے یہی ہے۔ علاوہ بریں معلوم ہوتا ہے کہ نوشتہ کے لکھنے والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا ہے اور کہیں سائرس کی جگہ دارا کا نام آگیا ہے۔ کہیں دارا کی جگہ سائرس کا۔ تاریخی حیثیت سے جو واقعہ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بابل پر فارس کے دو حملے ہوئے ہیں۔ پہلا سائرس نے کیا، دوسرا دارا نے۔ سائرس نے بابل فتح کر کے اس کی اندرونی حکومت وطنی اُمرا کے ہاتھ چھوڑ دی تھی۔ پھر تقریباً بیس برس بعد امراء بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے، جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔ انھوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئیگی اس کے بعد اسکی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے۔

"خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ۔۔۔۔ یروشلم پھر آباد کیا جائیگا یہوداہ کے شہر بنائے جائیں گے۔ میں اُس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا۔۔۔۔ ۔۔۔ میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔۔۔۔ خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا تاکہ قوموں کو اس کے قابو میں کردوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دوہرے دروازے اس کے لئے کھول دوں۔ ہاں میں تیرے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ میں گڑے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کروں گا تاکہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کیلئے تجھے یہ انعام صاف صاف لے کے بلایا ہے۔"

(یسعیاہ ۲۱ : ۴۴)

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہو گا۔ اور میں نے اسے اس لئے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے۔ نیز اُسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے۔

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی "قوموں کے درمیان منادی کرو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو! بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مرودک حد اسیمہ کیا گیا۔ اس کے بت مجل ہوئے۔ اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیونکہ

داخل ہوگئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا۔

توراۃ کی شہادت یہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیئے زندگی و خوش حالی کا نیا پیام تھا اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خبر دے دی تھی۔ چنانچہ سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی۔ نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لئے ایک ہیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سرِ نو تعمیر کروں) پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لئے مہیا کرنا چاہئے"۔ اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو بنوکدنزار ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا۔ بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بفر کے حوالے کر دیئے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیئے جائیں۔

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلّم ہو گئی ۵۳۹ ق م میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالمگیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرمانروا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں۔ فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔

اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے اس بات پر غور کر لینا چاہیئے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں، اور یہودیوں کے اعتقاد میں کس طرح وہ حرف بہ حرف پوری ہوئیں؛

سکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے۔ علاوہ بریں! توراۃ کے آخری صحائف جو بیت المقدس کے اثناء میں یا اسیری بابل کے زمانے میں لکھے گئے ہیں تاریخی حیثیت سے محفوظ تسلیم کرلئے گئے ہیں کیونکہ وہ اس وقت سے برابر یہودیوں میں متداول رہے، اور کوئی حادثہ ایسا رونما نہیں ہوا کہ ان کے نسخے نابود ہوگئے ہوں۔ ممکن ہے کہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں بھی دانیال نبی کے خواب کی طرح خورس کا نام نہ بتلایا گیا ہو۔ صرف قوم و ملک کا ذکر ہو اور بعد کو یہ نام بڑھا دیا گیا ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا، اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لئے پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

قرآن کی تصریحات اور سائرس

اب غور کرو۔ قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے۔ وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے! ہم نے اس بحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کو نمایاں کرنے کیلئے جو سات دفعات مشتمل ہیں۔ ان پر پھر ایک نظر ڈال لو۔

(۱) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمت الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! بس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی

اُتر سے ایک قوم اُس پر چڑھتی ہوئی آرہی ہے جو اُس کی سرزمین اجاڑ دے گی۔ یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا۔" (۵۰ : ۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے، اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہو گی۔

"خداوند کہتا ہے۔ جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دوں گا۔ تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پاؤ گے — میں تمہاری اسیری ختم کر دوں گا۔ تمہیں تمہارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا۔" (۲۹ : ۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے، گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہو گا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے (جو شاہان بابل کے وزراء میں داخل ہو گئے تھے) اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھلائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لئے جاری کیا۔

زمانہ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہوں۔ خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں صریح خورس (سائرس) کا نام موجود ہے۔ لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ اور محض عقلی استغراب ان صائف کے خلاف حجت نہیں ہو

مطابق ظہور میں آئی ہو۔ پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انھیں محض توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دے دی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہو گیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اُس کی زندگی بچاتا ہے، اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لئے خالی ہو جاتا ہے! یقیناً یہ صورتِ حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ تو در حقیقت کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے، اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اسکی راہ صاف ہو جائے۔

(۳) اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے۔ ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف۔ ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں۔

! ۵ یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لئے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں کئی جگہ آئی ہے۔ مثلاً ذکریا نبی کی کتاب میں ہے "رب الافواج فرماتا ہے: میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑاؤں گا (۸: ۷)

ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے، اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: قال: قالت الیہود: "اخبرنا عن نبی لم یذکرہ اللہ فی التوراۃ الا فی مکان واحد" قال: ومن؟ قالوا: ذوالقرنین۔ یعنی یہودیوں نے آنحضرت سے کہا: اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے: آپ نے فرمایا۔ وہ کون؟ کہا، ذوالقرنین۔ چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے۔ اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا۔

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کردی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا، اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی۔

(۲) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے، یہ ہے کہ "انا مکنا لہ فی الارض، وآتیناہ من کل شیئ سببا (۸۴)۔ ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوشحالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے، تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا: "کذالک مکنا لیوسف فی الارض" ۱۲: ۵۶ اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کو حکومت دے دی۔ "ہم نے دے دی" کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے

کروئسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے اس کے فتحمند قدموں کے لئے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہوسکیں۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کرلیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لئے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حدِ نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا، اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، صریح مغرب کی لشکر کشی تھی کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لئے مغرب الشمس کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو۔ تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہوگئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دے دی ہے لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا، جو سمرنا کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کرلی ہے، ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہورہا ہے، اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان

مغربی مہم:- اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروسس نے حملہ کر دیا۔ ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام سے مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی۔ اس کا دارالحکومت سارڈیس Sardis تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کر لی۔ اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لئے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔ لیکن کروسس نے یہ تمام عہد و پیمان اور باہمی علائق بھلا دیئے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پیٹریا Pteria پر قبضہ کر لیا۔

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف وہ اس حملہ کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگمتانہ سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پیٹریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا۔

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں۔ لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پیٹریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا اور

دارا کے کتبوں میں اس کا نام یہی آیا ہے۔ مگر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخین نے اسے اکبتانا (Acbatana) لکھا ہے اور یہی نام یورپ میں مشہور ہو گیا تھا۔

میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لئے اُسے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لئے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں بڑھے ہوں گے۔ کیوں کہ دارا کے زمانے میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

شمالی مہم: تیسری لشکرکشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلۂ کوہ تک پہنچ گیا تھا، اور وہاں اسے ایک درّہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آکر اس طرف کے علاقے میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے، اور یہیں اُس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ "حتیٰ اذا بلغ بین السدین وجد من دونہما قوما لا یکادون یفقہون قولاً (۹۳) یہاں تک کہ وہ دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے۔ کیونکہ اس کے داہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک دی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لئے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سربفلک سلسلۂ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لئے کوئی راہ باقی رہی تھی، تو وہ صرف اس سلسلۂ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی، اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے

لفظوں میں بیان کیا ہے کہ "وجدہا تغرب فی عین حمئۃ" (۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔ تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔

مشرقی مہم: دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی۔ چنانچہ ہیروڈوٹس اور ڈی سیاز[1] دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی، اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ "مشرق کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی"۔ یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ "حتّی اذا بلغ مطلع الشمس، وجدہا تطلع علٰی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا" (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لئے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی۔ یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹریا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹریا ٹھیک ٹھیک ایران کے لئے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد

---

[1] ڈی سیاز (Ctesias) ایک یونانی تھا جو ۹۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۱۴ ق م تک شہنشاہان پارس کا درباری طبیب رہا اور اس زمانہ کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی بعد کے یونانی مورخوں نے اس کے بعض بیانات شبہ کی نگاہ سے دیکھے ہیں اور اس لئے اُسے استناد کا وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو ہیروڈوٹس (المتولد ۴۸۴ ق۔م) کی تاریخ کو حاصل ہوا ہے مگر موجودہ زمانے کے محققین تاریخ کا ایسا خیال نہیں ہے۔

قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی، اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں، اس لئے ان کی نسبت فرمایا کہ ―

لا یکادون یفقہون قولا ―― !

(۴) اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے، وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی، اس کی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: یاذالقرنین! امان تعذب، واما ان تتخذ فیھم حسنا (۸۶) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ خواہ سزا دے، خواہ انھیں اپنا دوست بنالے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس کے پادشاہ کروئسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا، اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وقت کی تمام طاقتور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہوگیا، تو حکم الٰہی ہوا۔ یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا۔ دشمنوں کو مسخر کر دیا۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں، لیکن تجھے بدلہ نہیں لینا چاہیے۔ وہی کرنا چاہیے جو نیکی اور فیاضی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا۔ "قال: اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔ و اما من آمن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنیٰ وسنقول لہ من امرنا یسرا (۸۸) اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینی چاہتا۔ میری جانب سے عام بخشش کا

کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا۔ اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے۔ اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کا کیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلۂ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے، تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا، اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں، اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آ چکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پہ آباد تھی۔ اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے، اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی "کیسپین" پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے "کولچی" یا "کولشی" کے نام سے پکارا ہے، اور دارا کے کتبۂ اصطخر میں اس کا نام "کوشیہ" آیا ہے[1] ان ہی دو

---

[1] دارا یوش اول کا یہ کتبہ تاریخ قدیم کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنا دیئے ہیں جو تعداد میں ۲۸ ہیں۔ ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی محل روشنی میں آ چکا ہے۔ صرف ایک دو ناموں کی حقیقت اب تک محل غور و بحث ہے۔

ہاتف[1] سے استصواب کر لیا تھا، اور ڈلفی کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی۔ پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لئے خوشگوار نہ ہو سکی، اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاقی اور مذہبی فتحمندی کی شان پیدا کر دی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانک ایک پر اسرار افسانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس[2] لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا، مگر کروئسس نے جنگ کے جوش و طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ ہاتف نے کہا تھا اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دے گا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا، مگر اس نے خیال کیا، بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے۔ نیز وہ کہتا ہے: جیسے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے اور اس پر کروئسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی، لیکن پھر جب کروئسس کی بعض باتیں سنیں تو بیحد متاثر ہوا، اور آگ بجھانے کا حکم دیا۔ لیکن اب آگ پوری طرح

---

[1] ہم نے (ORACLE) کے لئے ہاتف کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ اگرچہ اس کے لئے مرادف لفظ نہیں ہے، لیکن اصطلاح کا مطلب بہتر طریقہ پر واضح کرتا ہے۔

یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ مندروں میں ہاتف غیبی کی صدائیں سنی جاتی ہیں، اور خاص پجاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے۔ اس غرض سے خاص خاص مندروں کی شہرت تھی۔ لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سنا دیتے۔

[2] ہیروڈوٹس مترجمہ اے۔ ڈی گاڈلی LUBE EDITION (GODELY)

اعلان ہے۔ البتہ آئندہ جو کوئی برائی کرے گا، بلاشبہ اسے سزا دوں گا۔ پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہوں گے تو ان کے لئے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا، اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے۔ میں بندگانِ خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا یہ ہو بہو اس طرزِ عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے، اور جسے زمانۂ حال کے تمام محققینِ تاریخ نے ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے۔

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگانِ لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ تھا وہ فیاضانہ تھا۔ وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا تو یہ انصاف ہوتا، کیونکہ زیادتی ان ہی کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا۔ اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں، اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کروسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے۔ اگر وہ مقابلہ کرے جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھائی جا سکے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرمانروا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروسس کی جگہ سائرس نے لے لی اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی۔ کیونکہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروسس کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملہ سے پہلے اس نے مندروں کے

ہی تھے۔ وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لئے سرتاسر شفقت و رحمت تھا۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمران وصول کیا کرتے تھے، اس نے جس قدر احکام و فرامین نافذ کئے وہ زیادہ سے زیادہ نرم زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے۔

(۵) یہ تو صرف اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہانتک اس پر راست آتا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں، یہ بات سمجھ لینی چاہئیے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے، ہم وطن نہیں تھے۔ ہم مذہب نہیں تھے اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی۔ اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا۔ اور ہمیشہ کے لئے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے، اور اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالمگیر اعتراف و تاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی، اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے۔

ومليحة ، شهدت بها ضرا تها

والفضل ما شهدت به الا عداء

مشتعل ہوگئی تھی، ممکن نہ تھا کہ اسے فوراً بجھا دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر کروئسس نے اپالو دیوتا کو پکارا، اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس معجزے نے بروقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچا لی۔

لیکن خود ہیرو ڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئسس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات آشکارا کر دینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے، اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی، ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگا دی جائے۔ لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا، تو پھر اسے بخش دے، اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے۔ دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ خود ہیرو ڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے، اور یونانی افسانہ میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی یونانی افسانہ نے اس کا توڑ کرنے کے لئے اپالو کا معجزہ گڑھ لیا۔

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا، سزا پائے گا، جو حکم ملنے گا اور نیک عمل ہوگا اسے انعام ملے گا۔ بعینہٖ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قرآن میں ہے کہ "وسنقول لہ من امرنا یسرًا۔ اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی۔ تو دیکھ لیں گے میرے احکام و قوانین میں ان کے لئے سختی نہ ہوگی۔ تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام و قوانین ایسے

کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے تھے"

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے، وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا، اس کی مخلوق نہیں تھا۔ ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ہوئی وہ محض قدرت کا پروردہ تھا، اور قدرت ہی کے ہاتھوں نے اُسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا، تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ، دانش کا سب سے بڑا پیکر، فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ ان کے سامنے تھا سائرس اور سکندر۔ سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا۔ لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درس گاہ میں پرورش پائی تھی تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا۔

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی، جتنی خود اُس کی عمر تھی۔ لیکن سائرس کی فتوحات نے جو انیٹیں چن دی تھیں، وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اسکی مملکت روز بروز وسیع و

زینوفن لکھتا ہے: "سائرس ایک نہایت دانشمند، سنجیدہ اور ساتھ ہی رحم دل فرمانروا تھا۔ اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت و حشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور سیر چشمی تھی، اور اس کی فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے، مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، درماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے۔ غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو۔ پھر ان تمام عالی صفتوں کے ساتھ عاجزی اور انکساری اس کے حسن و کمال کا سب سے بڑا زیور تھی۔ اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے، اور ایک ایسے خزانے کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی، کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے۔"

ہیروڈوٹس لکھتا ہے: "وہ ایک نہایت ہی مخیّر پادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام پادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی، بلکہ جود وسخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا، سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو۔"

ڈی سیاز لکھتا ہے: "اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت پادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے، اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دے دیئے تھے۔ وہ اس

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مورخوں کی روایات ہی نہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی مسلمات ہیں بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت فرمانروائی کی عظمت اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی۔ بی۔ گرنڈی (G. B. Gr) جو موجودہ زمانہ میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جن کی کتاب گریٹ پرشین وار (Great Persian War) نہایت مقبول ہو چکی ہے لکھتے ہیں:-

یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا۔ اس کی ابتدائی نشوونما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی، جس کی سرگزشت نے ایک افسانہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدوّن کیں جو سقراط کا شاگرد تھا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں، خواہ نہ دیں تاہم یہ حقیقت بہرحال غیر متزلزل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا، اور جب یہ خصوصیت آشوری و بابلی شہنشاہوں کی بدعملیوں کے مقابلے میں لائی جاتی ہے تو اس کی شریفانہ

مستحکم ہونی والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند کیقباد نے اُسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آگئی جو ایشیا، افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سائرس کا جانشین دارا یوش تن تنہا حکمران تھا۔

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنھیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا، لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنھیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا۔ پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں سکتی دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں۔

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا۔ اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ زینوفن کے لفظوں میں "وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا" اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی، یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری، قساوت قلبی، اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی۔

اور عفو بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا"۔ ؎

غور کرو قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیئے ہیں آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے۔

(۶) اب چند لمحوں کے لئے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں۔ کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کی اشاعت جب بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں! یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ "خداوند کہتا ہے، خورس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ "وہ میرا مسیح ہے"۔ اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہیں؛

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لئے وقت کی تمام قومیں چشم براہ تھیں۔ قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا۔ ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو، اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا؟ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی وہ نمود تھی، جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرمانروائی کی عظمت صرف قہر و غضب ہی کی نقاب میں رونما ہوئی تھی، اور سب سے

؎ پروفیسر موصوف کے اس مقالہ کے لئے یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ کی دوسری جلد صفحہ ۸۵۰ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو جے اے ہمرٹن (J.A. Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے۔

نمودار اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔ - یہ فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان کا ایک گمنام رئیس تھا، اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آچکی تھیں۔ ان تمام بادشاہوں میں جنہوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کئے، ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اپنی ہستی کا کوئی مؤثر ظہور رکھتی ہو — آکادی مملکت کے نیم اصنامی سارگون سے لے کر بنوکدرزار (بخت نصر) تک۔ سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں۔ وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا وہ ایک بڑا حکمران تھا قوموں نے یہ نیا دور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا۔ ان دس برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے اس کی تمام وسیع مملکت میں ایک بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا۔ گویا ایشیا اس کی رعایا پر اس کی حکومت کا رعب چھایا ہوا تھا۔ وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سلطنت تغیرات سے پریشان ہو۔ اس کی حکومت قتل و سلب کی سزاؤں سے بالکل نا آشنا رہی۔ اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا۔ اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے۔ اب قیدیوں اور قبیلوں کو جلا وطن نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کر دیئے جلا وطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹا دی گئیں۔ ان کے معبد اور معبود انہیں واپس دے دیئے گئے قدیم رسوم اور عبادتوں کے خلاف کوئی تعرض باقی نہیں رہا۔ ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی ہر مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گزشتہ عالمگیر دہشت ناکی کی جگہ ایک عالمگیر رواداری

نمودار ہو گیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں زبولون کے لفظوں میں قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لئے بے اختیار لپکیں" کیونکہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی ثمرہ اور زمانہ کی طلب کا قدرتی جواب تھا، اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے، تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا۔

غور کرو یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورتِ حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ "وہ میرا چرواہا ہو گا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔ میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلوا ڈالونگا۔ میں اس کے آگے چلوں گا۔ ٹیڑھے راستے اس کے لئے سیدھے کر دوں گا" سارے مورخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا، اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا، اس کی شقاوت ختم ہو گئی، وہ جس قوم کی طرف بڑھا اس کی بیڑیاں کٹ گئیں، اور وہ جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا، اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے۔ وہ صرف بنی اسرائیل ہی نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا۔

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی میں اسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں "مسیح" وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لئے برگزیدہ کر لے، اور خدا کے براہِ راست ممسوح ہونے کی وجہ سے مقدس ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد کی نسبت بھی آیا ہے کہ "مسیح" تھے، سائرس کی نسبت بھی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لئے ایک آخری مسیح کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ سائرس کو "مسیح" کہنا بلاشبہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی

بڑا حکمران وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لئے خوفناک ہو۔ آشور بنی پال لبنو الکا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اس لئے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا بابل کی نشاۃ ثانیہ میں بنوکدزار سب سے بڑا فاتح تھا اس لئے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے زیادہ تو پران تھا۔ مصریوں، آکادیوں، ایلامیوں آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت وعظمت کے مظاہر خوفناکی اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے۔ اور ان کی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے مل کر انسانوں کے قتل و تخریب کا ہولناک استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے بنوکدزار کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پیہم تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا، بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہانکا کر بابل لے گیا کہ جو ذیفس کے لفظوں میں کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو ذبح میں نہیں لے جاتا؟ پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لئے چشم براہ ہو۔ وہیں ایک نجات دہندہ کی تلاش کر رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلے کے لئے خدا کا بھیجا ہوا چرواہا ہو جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سر کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دے دے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لئے ہونی چاہیئے۔ دہشت انگیزی اور خوفناکی کے لئے نہیں۔

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آ چکی تھی۔ اب وہ ایک "چرواہے" کے لئے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں خدا کا وہ فرستادہ چرواہا

صاف کہہ رہی ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا حزقیئیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے اور دارا کے عہد تک زندہ رہے۔ ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں پھر دارا کے زمانہ میں حجی اور ذکریاہ کے صحیفے مرتب ہوئے اور زرکسیس دار دشیر یا (ارتخشست) کے عہد میں عذرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں، اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس بنی اسرائیل کی ایک موجود ہستی تھی، اور خدا نے اسے برگزیدگی کے لئے چن لیا تھا۔
اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا، تو کیا ایک لمحہ کے لئے یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرات کرتے۔
فرض کرو، یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں، حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہوگئیں۔ پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لئے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جاسکتیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا؟
یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف حق سے روکتی تھی کہ "ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم" (۳: ۷۳)
تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو ان کے لئے ہر اعتبار سے اجنبی تھا، اور نہ صرف اُس کی بندگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کر لیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ

کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

(ج) اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے۔ وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی آیتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا۔ آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا، اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل؟

لیکن تمام پچھلی تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟ یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خود نے اسے اپنا فرستادہ اور "مسیح" کہا، اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی۔ جس کا داہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہوگا اور جن کی ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے" یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا۔ خدا صرف انہی کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں اور صرف اُن ہی کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اُس کے چُنے ہوئے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں۔

اسرائیلی نبیوں کی شہادت

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کر لی جائے، جب بھی صورتِ حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے اُن کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ

گشتاسپ والا نقطہ تسلیم کر لیا بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھا دی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر۔ بعضوں نے خراسان اور جموں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا۔ لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ گلڈنر کی رائے پر متفق ہو گئے ہیں، اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ [1] والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود وہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا جسے اوستا کے حصہ وندیداد والیں ایریانہ دیجو سے تعبیر کیا ہے، البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا [2]

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیئے۔ اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۵۰ ق۔م میں ہوئی۔ یعنی زردشت کی وفات کے بیس سال بعد یا عین اسی سال

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا، تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کئے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دیے ہیں تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور اس میں کچھ شبہ باقی

[1] گشتاسپ کو یونانیوں نے ہسٹاس پیز (Hystaspes) لکھا ہے۔

[2] اے۔ وی۔ ولیمس جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب زرتشت پرشیا انڈیا ہے رافٹ (Zoroaster) کا مطالعہ اس باب میں کفایت کریگا۔ Persian Prophet

سائرس کی شخصیت ان کے لئے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی۔ اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکار تھیں کہ ان کے اعتراف میں تنگ نظری و عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہو سکا ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لئے جو غیبی بھی ہو، یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی، تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے ضروری ہے اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقائد کا توافق موجود ہو۔ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کیلئے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقاید کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں؟

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے "زاروسترد" کے نام سے پکارا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا۔

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف نظریوں اور قیاسوں کی ردوکد میں بسر ہو چکا ہے۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا۔ بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور

مقصود قدیم مذہب ہے۔ [1]

تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیروؤں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی چنانچہ دوسری بغاوت "پراڈہنش" نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا، اور تیسری "چرت حمہ" نامی نے جو اربیل میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کرسکا ان میں سب سے اہم کتبہ بے ستون کا ہے جس میں دارا نے گوماتا مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلمبند کی ہے۔ دوسرا استخر کا ہے، جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں۔ ان دونوں میں وہ بار بار "اہورمزدہ" کا نام لیتا ہے، اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ "اہورمزدہ" زردشت کی تعلیم کا "اللہ" ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہیئے۔ یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کمبی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات

---

[1] گوش کا لفظ ایک جگہ اوستا میں بھی آیا ہے، اور یہ بات اب قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ "موگوش" عمدہ مقصود موڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا۔ چونکہ میڈیا کے باشندے بابل اور شام میں موگوش مشہور ہو گئے تھے اس لئے عربوں میں بھی یہی نام مشہور ہو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی۔ پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگے زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رہا حالانکہ اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے۔

نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا، بلکہ اس کا پہلا حکمران داعی تھا، اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا انتشار دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے، وہ دو ہیں، اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلّم ہے۔ پہلا واقعہ "گوماتہ" کی بغاوت کا ہے جو سائرس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرا دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقاید کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا کم بی سیز (کمبوچیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے ۵۲۵ ق۔م میں مصر فتح کیا لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا، ایران میں بغاوت ہو گئی ہے اور ایک شخص "گوماتہ" نامی نے اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمردیز، فارسی (بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مر چکا تھا یا مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ ۵۲۲ قبل مسیح میں اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا اس لئے اسکا عم زادہ بھائی دارا ابن گشتاسپ تخت نشین ہو گیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتہ کو قتل کیا، اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ قبل مسیح میں ہوئی ہے۔ بس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروؤں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں "گوماتہ" کو "مگوس" لکھتا ہے یعنی مجوسی اور مجوسی مذہب سے

ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جائیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہؤا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگزشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعہ میں نہیں مل جاتا۔

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے اس افسانہ میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آرہی ہے جو دشت دجل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کیلئے تیار کر رہا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہؤا تھا، اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شمالی کوہستانوں میں بسر ہؤا، تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے، اور صاف نظر آرہا ہے وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہرحال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد ہی میں نئی دعوت قبول کر لی یا تخت نشینی کے بعد، لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دینِ زردشتی کا عامل تھا

دینِ زردشتی کی حقیقی تعلیم

لیکن اگر ذوالقرنین دینِ زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ ملہم من اللہ قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم بھی؟ یقیناً لازم آتا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں، کیونکہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی

کے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے۔ نے اس کے لئے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے، اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ہوجانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے۔ تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزاری ہے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصے میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور وقبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کمبی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی، اور دارا دین زردشتی پر عامل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا کہ دارا اور کمبی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آچکا ہے؟ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے، تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا، اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا، تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی، اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمران داعی بھی؟

زردشت اور سائرس: ذرا اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا، اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گمنامی میں بسر ہوا، تو کیا اسی زمانہ میں دونوں شخصیتیں

۱۔ دارا کی وفات بالاتفاق ۴۸۶ م قبل مسیح میں ہوئی، اور ہیروڈوٹس ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد۔

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔

آگ کی پرستش کی یہاں تک کہ جگہیں بنائی جاتی تھیں۔ اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا اس کے افراد "موگوش" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر لیا۔

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا اُس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا اُس نے کہا یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں نہ شر کے بہت سے عفریت یہاں صرف ایک "اہورمزدہ" کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، نور ہے۔ قدوس ہے، حق ہے، حکیم ہے، قدیر ہے اور تمام کائنات ہستی کا خالق ہے کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو یا اس کے ہمتا ہو یا اس کی شریک ہو۔ تم نے جن روحانی قوتوں کو غیر کا خالق سمجھ رکھا ہے، وہ خالق و قادر نہیں ہیں بلکہ "اہورمزدہ" کے پیدا کیے ہوئے "امشا سپند" ہیں یعنی ملائکہ ہیں اور شر کا ذریعہ دیوتاؤں کی خوفناک قوت نہیں ہے بلکہ "اہرمن" کی ہستی ہے یعنی شیطان کی ہستی ہے یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یونانیوں کی طرح اسکا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا بلکہ عین مذہب ہی تھا اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا دستور العمل بنا دیا نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے۔ انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پہ پورا

ہیں یہ عملی ہے کہ زرتشت کی تعلیم سراسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی، اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدی مجوسیت کا ردِ عمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بُت پرستی کے ردِ عمل سے محفوظ نہ رہ سکی اسی طرح زرتشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردِ عمل سے بچ نہ سکی۔ خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سرِ نو مدوّن ہوئی تو اصلی تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی۔

زرتشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی ابتدائی تھی۔ ہندوستان کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہرِ قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔ پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا ———— پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی کیونکہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں، لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک قوت پاک روحانی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی۔ دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی جو نوعِ انسانی کے جانی دشمن تھے۔ روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطانوں کی تاریکی میں۔ نور و ظلمت کی یہی کشمکش ہے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ہیں۔ چونکہ روشنی پاک روحانیوں کی نمود ہے اس لئے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لئے ہونی چاہییں۔ اس روشنی کا مظہر آسمان پر سورج اور زمین پر آگ تھی۔

ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے اُن کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سراسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیرووں کی اخلاقی روش کے لئے نہایت بلند مطلب رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیئے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے، اور ہیروڈوٹس اور زینوفن نے جب تاریخیں لکھی ہیں۔ تو یونان کے حریفانہ جذبات پوری طرح اُبھرے ہوئے تھے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے انہیں ماننا پڑتا ہے کہ ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں رکھتے تھے جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔"

ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے کہ:

"ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اُس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتی۔"

ان کی راست بازی، رحم دلی، شجاعت اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں، اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے۔

دارا کے فرامین، دارائے اوّل کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ ہے اُسکے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں، اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر سکتے ہیں۔ استخر کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے۔

"خدائے بزرگ و برتر اہورمزدہ ہے۔ اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی، اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمران اور آئین ساز بنایا۔"

اُترے "فکر کی راستی، گفتار کی راستی اور کردار کی راستی پرستاران ہورمزدہ کے لئے تین بنیادی اصول تھے۔ پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور دیوتاؤں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے دجب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا، اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اغراضی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں، بلکہ اس لئے کہ برکتیں اور مرادیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہورمزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

اس کی تعلیم کا سب سے پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے۔ اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آ[illegible] اس زندگی میں دو عالم ہوں گے۔ ایک اچھائی اور سعادت کا دوسرا برائی اور شقاوت کا جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کئے ہیں، وہ پہلے عالم میں جائیں گے جنھوں نے برے عمل کئے ہیں دوسرے عالم میں۔ اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ "آخری فیصلہ" کا دن قرار دیتا ہے۔

بقائے روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اسکی روح فانی نہیں۔ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی جاتی رہتی ہے اور ثواب و عذاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے۔

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقاء میں نہایت موثر حصہ لیا ہے۔ اس نے پانچ سو برس قبل مسیح

طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم منسوخ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ سات دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشتیت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے۔ اور اسکا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے۔ اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اور جس کے لئے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل کی اولوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکر گذار ہیں۔

اہورموزدہ کی مزعومہ شبیہ:۔ اس سلسلہ میں ایک بحث طلب سوال اور ہے، اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں۔ ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے۔ یہ پادشاہ کی تصویر نہیں ہو سکتی کیونکہ پادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے۔ اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ وہ خود پادشاہ سے بھی ایک بلند تر ہستی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کون ہستی ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون کے مرقع میں زیر بحث ہوئی، جب ۱۸۴۷ میں کرنیل رالین سن نے اپنی شرح دحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا۔ پھر یہی صورت متعدد نقوش میں ملی۔ مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں، نقش رستم میں جو دراصل دارا کی قبر ہے۔ استخر کے محل شاہی کے دروازہ پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔

رالین سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پورٹر نے یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیئے جو خود پادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالین سن ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ اہورموزدہ کی ہستی ہے یعنی خدا کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انہوں نے اہورموزدہ کی ہستی کے لئے ایک مرموز (یعنی Symbolic)

دارا اعلان کرتا ہے: "اہورموزدہ نے اپنے فضل سے مجھے پادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و امان قائم کیا۔ میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو، اور ان تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورموزدہ! میری دعا قبول کر!"

"اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لئے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر۔ صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑ۔ گناہ سے بچتا رہ" یاد رہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا، اور اسکی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہورموزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریقِ خطاب کی تصدیق ہے کہ ہٰذا رحمۃ من ربی (۹۸)۔

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انٹانین – (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا، اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اسکا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آبِ زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ استخر میں جل کر راکھ ہو گیا۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا، وہی سکندر کے حملہ نے اوستا کیساتھ کیا، یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہو گیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دورِ حکومت شروع ہوا، تو مذہب زردشت کی از سرِ نو تدوین کی گئی، اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی، اسی طرح اردشیر بابکانی نے از سرِ نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا، لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات

کا تصویروں میں دکھایا گیا ہے۔ صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنادیا گیا ہے۔ اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس حلقہ اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے، جب بھی یہ اس لئے کافی نہیں کہ محض یہ مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لئے پیروانِ زردشت کا منتہائے خیال تھا۔

رابعاً اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقہ اور لہروں میں ایک ماورائے انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا۔ جب بھی یہ اہورمزدہ کی ہستی کیوں ہو، جس کی نسبت زردشت نے تقدیس وعلو کا اس درجہ بلند تصور قائم کیا ہے، کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت و تقدیس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا! مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی۔

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں، یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورمزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمران پیغمبر اور ہخامنشی شہنشاہی کا پہلا تاجدار تھا۔ چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھایا گیا ہے اور قدیم تصورات میں حلقہ کی شکل حکومت و مالکیت کی علامت سمجھی جاتی تھی اسلئے زیادہ قریبِ قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو[1]

---

[1] ۱۹۱۳ء میں میں نے اپنا یہ خیال مسٹر اڈورڈ براؤن، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی و مصنف لٹریری ہسٹری آف پرشیا وغیرہ (Mr. Edward Brown. Professor Cambridge University & Author Literary History of Persia) کو لکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا، اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا، وہ خود اس بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی، اور میری خط و کتابت کا سلسلہ سنسر کی سخت گیریوں نے بالکل مسدود کر دیا۔ پھر میں نظر بند ہو گیا، اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔

تشخص کا تصور ضرور قائم کر لیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے، اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسّم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہو گئے۔ لے لیکن ۱۹۱۲ عیسوی سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اوّل دن سے غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں۔

اولاً تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انھوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم و صورت میں نہیں کیا، اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہو گئی، جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہو گئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق، ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت و الوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے۔ اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانے کا عام لباس پہن رکھا ہے۔ وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں

لے عام رائے یہی ہو گئی ہے، لیکن ایسی صدائیں برابر اٹھتی رہی ہیں جنہیں اس رائے سے اختلاف ہوا۔ کرنیل ولیمسن کی اشاعت کے چند سال بعد لغات شرقیہ کے ایک عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر (Forster) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ تصویر اس نقاش کی ہے جس نے مرقع نقش کیا تھا اور جو حلقہ اس کی کمر کے گرد نظر آرہا ہے یہ معماروں کی ٹوکری ہے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تھے۔ (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب One Primeval Language جلد سوم صفحہ ۱۲۹)

قلنا یاذاالقرنین کی تصدیق ہے۔ ہم اس سے پہلے اسکی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اُس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جاسکتی ہے۔

اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے۔ یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اسکی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

یاجُوج ماجُوج

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے، دوسرا سورۂ انبیا میں ہے "حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وہم من کل حدب ینسلون" (۲۱ : ۹۶)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا، اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ملتی ہے۔

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اُس نے کہا، اے آدم زاد یاجوج کی طرف اپنا منہ کرکے اس کے برخلاف نبوت کر یاجوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے۔ اور روس مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں۔ میں تجھے پھرادوں گا۔ تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا۔ تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے ہوئے ہیں اور سپر لئے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا۔ اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لئے ہوئے اور خود پہنے ہونگے۔ نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور انکا سارا لشکر"

اسکے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں۔ اور چار باتیں خصوصیت کیساتھ کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یاجوج شمال کی طرف سے آئے گا، تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ "ماجوج پر اور اُن پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں، تباہی آئے گی"۔ تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور اُنکے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔

کیا ذوالقرنین نبی تھا!

جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے: "قلنا یاذالقرنین" ہم نے کہا اے ذوالقرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں، اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں، اور وہ بنتا نہیں، اس لئے مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں قلنا کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اس میں شک نہیں کہ قلنا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعہ ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ جیسا کہ "فقلنا اضربوہ ببعضھا" (۲: ۷۳) میں ہے۔ یا خطاب قولی نہ ہو، تکوینی ہو۔ جیسا کہ قیل یا ارض ابلعی ماءک ویاسماء اقلعی" (۱۱: ۴۴) اور "قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علٰی ابراہیم" (۲۱: ۶۹) وغیرہا آیات میں ہے لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہئے کہ اس کے لئے قومی وجوہ موجود ہوں، اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا، اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ "واوحینا الی موسٰی ان ارضعیہ" (۲۸: ۷) تو صحابہ وسلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور انکے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اس تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو، قرآن کا یہ بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اسکی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے، اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ اسکا مسیح اور اسکی مرضی پورا کرنے والا کہہ رہے ہیں۔ عزرا نبی کی کتاب میں اسکا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کیلئے نقل کیا گیا ہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے: "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیا کے ملک میں اسکی عبادت کیلئے ایک ہیکل تعمیر کروں" اسکا یہ کہنا ہے کہ: "خدا نے مجھے حکم دیا ہے" ٹھیک

تھے! اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام، اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف اُمنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کیلئے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں۔ اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگو کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے، اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

منگولیا: شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب "منگولیا" کہلاتا ہے لیکن "منگول" لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لئے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع ہونا چاہئے کیونکہ وہ منگولیا کے ہمسایہ میں ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام "موگ" تھا۔ یقیناً یہی "موگ" ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور "میگاگ" پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہو گیا۔

اس امر کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں، اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

کرۂ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے، تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے۔ یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر اُبلتا اور جمع ہوتا رہتا،

چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان " مسافروں کی وادی " میں بنے گا جو سمندر کے پورب میں ہے " اُن کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تاکہ رہگذر صاف ہو جائے۔ (باب ۳۸-۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے، اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقیل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا، اور جسے قرآن نے بھی سورۂ بقر کی آیت " او کالذی مر علیٰ قریۃ وھی خاویۃ علیٰ عروشھا " (۲: ۲۵۹) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانہ کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو، یعنی سائرس کے زمانہ میں۔ اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لئے ایک سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا، اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لئے جمع کرنے نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائے گی " (۲۰: ۷)

گاگ اور مے گاگ

یاجوج اور ماجوج کے لئے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں، اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی [1] میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کئے گئے تھے کہ یاجوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود

---

[1] ترجمہ سبعینی سے مقصود تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا اور جس میں ستر علمائے یہود شریک تھے۔

یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ہندوستان اور یورپ، دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا، اُس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورتھ کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں بسا اُس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جسے اوستا میں ایریانہ ویگو کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا۔ جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے وہ رقالیاً (ہٹّی ر ھا نما انلا) کے نام سے پکارے گئے جنھیں تورات کی کتاب پیدائش میں "حتی" کہا گیا ہے، اور مصر کے قدیم نوشتوں میں "ختتی" پایا جاتا ہے۔

جو قبائل یورپ میں پہنچے، وہ گوتھ، فرانک، الامان، ونڈال، ٹیوٹان اور ھن کے نام سے مشہور ہوئے، وہاں ہی کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بگرط یا ر پلغ) پہ تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، سیتھین ہی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور خود دارا نے اپنے کتبہ استخر میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے۔

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، اناتولیا، ایشیائے کوچک، اور ایران میں بس گئی تھیں، انہیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لئے موزوں تھا۔ اس لئے بہت زراعتی زندگی اختیار کر لی، اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں۔ لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں انھیں ایسا ماحول میسّر نہیں آیا۔ اس لئے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیّر نہ ہوئیں۔ اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں۔

اولاً، منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے، اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیّر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل، جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے، لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف اُمنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا مغرب و جنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیا، اور شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب اُمنڈتے رہے۔ کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی و مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبائل جو اس علاقہ سے نکلتے تھے، مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے، لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا۔ یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقے میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا، لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے۔ یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یہ وحشت کی قدرتی ہمجیت اور درندگی سے۔ ان میں زراعت، صناعت، اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں۔ وہ ان سب سے ناآشنا تھے۔ سرد علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لئے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اسکے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو، شمال مغربی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔

ان ہی قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے اسکا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا اسے اب انڈو

سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔ صحرا نورد قبائل کو غذا کے لئے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ اقامت گزیں قبائل کو اناج پر وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے۔ یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں۔ ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی، ان کا ماحول شہریت۔ ان کو نشو ونما کے لئے جنگ کی ضرورت تھی، ان کو امن کی۔ ان کا جسم روز بروز طاقتور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا، ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند۔ وہ روز بروز وحشت و خونخواری میں بڑھتے جاتے تھے، یہ روز بروز تہذیب وحضارت میں تہذیب وحضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات وخصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو۔ صحرائیت وخانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت وخشونت ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبائل شائستہ ہوتے جاتے، صحرانورد قبائل کی ہستی ان کے لئے ہولناک اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی۔ جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرانورد قبائل عفریتوں کی طرح خوفناک اور درندوں کی طرح خونخوار ہیں۔ اور صحرانورد قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لئے شہری آبادیوں سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرانورد قبائل منتشر تھے، اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا۔ اقامت گزیں قبائل باہم مربوط تھے اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشنا، اس لئے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ وہ خوفناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل وغارت کر کے نکل جاتے۔ لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے، اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمران قائد پیدا ہو جاتا، اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل وغارتگری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی بلکہ مملکتوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں!

ثالثاً ہندوستان، ایران اور اناتولیا کے قبل جو بتدریج شہریت وحضارت میں ترقی کرنے لگے، اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔

یاجوج ماجوج کا اطلاق: تقریباً ۰۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج اور ماجوج یاگواگ اور مے گگ کا اطلاق پہلی دو قسموں پر ہوتا رہا۔

پہلی پر اس لئے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج وماجوج تھی۔ دوسری پر اس لئے کہ گو اپنے مولد ومقام سے الگ ہو چکی تھی لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی۔ تیسری قسم چونکہ یک قلم منقلب ہو چکی تھی، اسلئے اب وہ یاجوج وماجوج نہیں رہی تھی، بلکہ خود یاجوج وماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی۔ البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہو گئی اور مسیحیت اختیار کر کے تہذیب وحضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظہ سے ان کا نام بھی اتر گیا، اور یاجوج وماجوج کا اطلاق صرف اسی خطہ میں سمٹ آیا، جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا۔ یعنی صرف منگولیا کے صحرانورد قبائل ہی یاجوج وماجوج سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیا میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا۔

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (لاطینی نسل مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست ان ہی قبائل کی نسل سے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ومسلم ہے۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے۔ پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے صحرانورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزینی قبائل کے گروہ۔ معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرانورد رہتا تھا اور دوسرا اقامت گزیں ہو جاتا تھا، تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے

اور اس کی تمام صحرا نورد اور وحشی شاخیں ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں، ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کرلیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانے میں یہ قوم کہاں تھی، اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے۔ جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہو گی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی۔

(۲) دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے، لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے اب قامت گزینی اور صحرا نوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند، ایران اور اناطولیا کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں۔ مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرا نورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں، اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہئے۔[۱]

(۳) تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خونخوار قوم کا مرکز بن چکا ہے، اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے۔ پھر

---

[۱] یہ سن تعین اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض تاریخی قیاسات پر مبنی ہے اور اسی لئے اس بارے میں نظار تاریخ کی رائیں مختلف ہوئیں۔ البتہ حال کے انکشافات سے ایک بات تقریباً پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے یعنی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح اناطولیا میں "حتی" یا "ختی" تمدن شروع ہو چکا تھا اور قدیم مصری تمدن کا ہم عصر تھا۔ "بُغازکوئی" میں جو حتی کتب خانہ برآمد ہوا ہے اور جس میں بیس ہزار کے قریب منقوش تختیاں نکلی ہیں۔ اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخمینے بہت کچھ بدل دیئے ہیں، اور اب یہ رجحان کہ اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے۔ تقریباً مفقود ہو رہا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحرا نورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلہ میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ یہاں تک کہ علم و صناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دیئے جن کے مقابلہ سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں۔

چنانچہ ان شمالی مشرقی قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے۔ ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی، وہ بالکل ایک دوسری قوم بن گئیں، اور جنھیں ایسے حالات میسر نہیں آئے، وہ بدستور صحرا نورد رہیں۔ اقامت گزین قبائل کیلئے صحرا نورد قبائل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے، بلکہ خوفناک بھی ہو گئے تھے، کیونکہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ جب کبھی موقع پاتے، قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے۔ اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں۔ صدیوں تک انکی حالت ایسی ہی رہی۔ پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم و اطاعت کا راز پا لیا تھا، تو اچانک انکی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانچویں صدی میں اٹیلا (Attila) نے جو ہن قبیلہ کا قائد تھا۔ ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی و مغربی مملکتو کو لرزہ براندام کر دیا۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے۔ وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے، اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈ تا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی۔ وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اسکے سامنے آیا، خس و خاشاک کی طرح بہ گیا۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم

ہے۔ اس کی تعمیر ۲۱۴ قبل مسیح میں شروع ہوئی، اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کردی تھیں۔ اس لئے اُن کا رُخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔

(۶) چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے۔ جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔
(۷) ساتواں اور آخری دور بارھویں صدی مسیحی اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہوگئی اور چنگیز خان نے انھیں متحد کرکے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کردی۔
مندرجہ صدر خلاصہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہورہا تھا، اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہوکر اُن کے حملے روک دیئے اور پھر ہمیشہ کے لئے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہوگیا، وہ سائرس کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج و ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے، اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے ان ہی کی راہ روکنے کے لئے سد تعمیر کی۔ جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انھیں روکنے کے لئے ایک دیوار تعمیر کریں۔
اب غور کرو سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے، ہیرو ڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتلاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے یعنی کاکیشیا کے درہ سے۔ یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے۔
اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو کیا کرنا تھا

اچانک تاریخ کے افق پر "سیتھین" قوم کا نام ابھرتا ہے۔ یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے، اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ آشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوا کے عروج کا تھا، اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کی شمالی سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری رہیں یہ شمالی سرحد بحر خزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلۂ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی، اور وہ کا کیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ پھر ۶۲۳ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے۔ اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے۔ یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارتگری تھی[۱]۔

(۴) چوتھا دور ۵۵ قبل مسیح کا قرار دینا چاہئے۔ جب سائرس کا ظہور ہوا اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔ اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی۔ اس عہد میں صرف دو موقعوں پر انکا ذکر آتا ہے۔ پہلا سائرس کے زمانہ میں، جب وہ فتح بابل سے پہلے "سیتھین" قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے۔ دوسرا دارا کے زمانے میں جب باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے۔ دارا کے حملہ کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا۔

(۵) پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ہے۔ اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چینی کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہراہ اختیار کرتا ہے۔ چین کی تاریخ میں انھیں ہیونگ نو (Hiung-nu) کے نام سے پکارا گیا ہے، اور یہی نام آگے چل کر "ہن" ہو گیا ہے۔

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین ہوانگ ٹی نے ان حملوں کے روکنے کے لئے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تک چلی گئی

---

[۱] ہیروڈوٹس ۱-۴-۱۔

نہ کر سکے۔اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کون سی مدت ہے اور کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی ہو، تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو، جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس معاملہ سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے۔ بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے اور چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پہ حملے شروع کر دیئے ہیں۔پس یاجوج و ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ضرور ہوا ہے۔

"ماجوج" کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے۔جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام اور یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے :

"جمر، ماجوج، مادی، یونان، توبال، مسک اور تیراس پیدا ہوئے" (۱۰:۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے کیونکہ قدیم مؤرخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انھیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا موجودہ قید بابل کے زمانہ میں تیار ہوا ہے، تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصہ تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پہ تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی۔

ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے ! قدرتی طور پر ضروری تھا، اور اس لئے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی - چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی، اس لئے یاجوجی حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا -

اب پھر حزقیل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈالو - اس میں یاجوج کو روش مسک اور توبال کا سردار کہا ہے، اور یہ ٹھیک ٹھیک ان ہی قبائل کے نام ہیں - "روش" وہی ہے جس سے "رشیا" نکلا - "مسک" وہی ہے جو "موسکو" ہوا - اور "توبال" بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا -

پھر کہا ہے کہ "میں تجھے پھرا دوں گا" اور "تیرے جبڑوں میں بنسیاں مار دوں گا" -

یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دیئے اور سد تعمیر کر کے اُن پر اُن کی راہ روک دی - پھر کہا ہے "ایسا معاملہ واقع ہوگا کہ اُن کے تمام ہتھیار جلا دیئے جائیں گے"، اور "رہگزاروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے ان قوموں کا گورستان بنے گا، نیز عرصہ تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تاکہ راہ صاف کریں" یہ وہ واقعہ ہے جو دارا کے حملہ یورپ میں پیش آیا - دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی - اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی - وہ باسفورس عبور کر کے مشرقی یورپ پہنچ گیا تھا، اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا، لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور اُن کی قوت عرصہ تک کے لئے مضمحل ہو گئی -

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے، تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جچتی ہوئی تفسیر تا دین الجیل

تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے۔ لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے۔ اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے۔

دونوں دیواریں جہاں جاکر ملی ہیں، وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سوگز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سوگز ہے اور اسی پانچ سوگز کے عرض میں دربند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے "دوبارہ" کہتے آئے ہیں یعنی دہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے، ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا، اور اسے "دربند" کہا جاتا تھا، یعنی بند "دروازہ"۔ کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے، اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی۔ جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی، وہ پوری مملکت کا مالک ہوجاتا۔ اسی لئے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا، تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ وہ اسے "باب الابواب"[۱] اور الباب کے نام سے پکارے

---

۱ عرب جغرافیہ نویس دربند ہی کے نام سے اسکا ذکر کرتے ہیں لیکن چونکہ عام نام باب الابواب پڑ گیا تھا، اس لئے عنوان کے لئے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال "باب الابواب" ہی نام سے لکھا ہے۔ پس حرف "با" میں دیکھنا چاہئے نہ کہ "ڈال" میں۔

لیکن اب اسکی علمی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہوگئی ہے، اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہئیے زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس میں ہمیں ۵۰۰ سال قبل مسیح کے یہودی تصوّرات نظر آجاتے ہیں۔ بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظے نے محفوظ رکھی تھیں، لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

سدِ یاجوج :۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا، اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہئیے ؟

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے، یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کا کیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے، جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے، اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے۔ جہاں کا کیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بلند کر دیا تھا، دوسری طرف پہاڑ کا وہ تمام حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔

ساحل کی طرف یہ دیوار دُھری ہے۔ یعنی اگر دربانیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا دروازہ سے جب گزرتے

کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

سکندر کا انتساب:- اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے۔ جوزیفس اور پروکوپیٹس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

زمانہ حال کے ایک امریکی مورخ مسٹر اے۔ وی ولیمس جیکسن (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقہ کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفر نامہ میں بیان کئے ہیں۔ وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کئے ہوں گے۔ کم از کم درہ داریال کے استحکامات بعد کو ساسانی فرمانرواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا۔ چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لئے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی۔ [۱]

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کر دیئے ہیں۔ اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا، تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں؟

---

[۱] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب "فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو دی ہوم آف عمر خیام" From
Contenti nopal to the Home of omar Khyam
صفحہ ۶۲۔ ہم ان کی ایک دوسری تصنیف کا زردشت کے حالات میں حوالہ دے چکے ہیں۔

[۲] بہت ممکن ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بناء پر پیدا ہو گیا ہو کہ بعد کے بعض مورخوں نے غلطی سے سلسلۂ کوہ کو کاکیس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرقی جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے ہندوستان جاتے ہوئے طے کیا تھا۔ اسٹرابو نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لگے۔ کیونکہ مملکت کے لئے یہی مقام شمالی دروازہ تھا، اور یہ اُن بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ تھا جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے "باب الترک" اور "باب الخزر" کے نام سے بھی پکارا ہے، کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمدورفت کی راہ یہی تھی۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف، کاکیشیا کے اندرونی حصّوں میں اور آگے بڑھتے ہیں، تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال (Daniel Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اس کا محل ولاڈی کیوکز[1] (V-ladi Kaukaz) اور طفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں ہوکر گزرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے، اور ارمنی روایتوں میں اسے "آہنی دروازہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیروان نے تعمیر کی تھی۔ چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیروان کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور عبرانی مورخ جوزیفس اس کا ذکر کرتا ہے۔ پھر پروکوپیس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے۔ کیونکہ ۵۲۸ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقہ پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا۔ نوشیروان کا زمانہ ۵۳۱ مسیحی سے ۵۷۹ مسیحی تک تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس

---

[1] یونانی کاکیشیا، روسی کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے۔

بتلاتے ہیں کہ رومی اسے "کاسپین پورٹا" کے نام سے پکارتے تھے۔ یعنی باب کاسپین" لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً، ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیئے۔

ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام "بچاک کوراٸ" اور "دوکا پان کوراٸ" چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ "کور کا درہ"۔ سوال یہ ہے کہ "کور" سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ "گورش" کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے۔ جو سائرس کا اصلی نام تھا۔ جیسا کہ دارا کے کتبۂ استخر میں پڑھا جا چکا ہے۔

پروفیسر جیکسن اس ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ "کور" کا تلفظ "سور" کرتے ہیں، اور پھر عربی کے ایک نام "سول" کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔

۱؎ دربند نامہ۔ صـ۱۲ـ۔ دربند کی تاریخ میں یہ ایک نہایت جامع کتاب ہے جو ۱۸۴۵ء میں ایک ترک مصنف کاظم بک نے لکھی ہے۔ یہ سینٹ پیٹرزبرگ یونیورسٹی میں ترکی و فارسی کا پروفیسر تھا، اور خود دربند کا بادشاہ تھا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ ہسٹری آف دربند کے نام سے شائع ہوا۔

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کئے جا سکتے ہیں جب کہ امن و حفاظت کی ضرورت نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش ہی نہیں آئی۔ اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا۔

ایسی حالت میں وہ کون سے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے؟ اور اگر پیش آئے تو کب؟

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کئے تھے، اور درہ داریال کی سد، وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ و قرائن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

اولاً، سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آ چکی ہیں۔ سائرس کے زمانے میں یہاں سے سیتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے۔ سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لئے ضروری تھا کہ یہ راہ روکے۔ سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی۔ سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ یہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی۔ نہ کہ سکندر کے حکم سے اس کے کسی افسر نے۔

ثانیاً، یوسیفس کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ٹسی ٹس (Tacitus) اور لیڈس (Lydus) نے دیا ہے۔

بہر حال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرے سے خالی نہیں، دربند کی دیوار تعمیر کرادی ہو، اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔

دیوار دربند کی موجودہ حالت

دربند کی دہری دیوار ۱۷۹۶ء تک موجود تھی، جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (E.ichwald.) نے اپنی کتاب "قوکاکیس" میں نقل کی ہے، لیکن ۱۹۰۳ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا، تو گو آثار باقی تھے، لیکن دیوار گر چکی تھی۔ البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔
موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی۔ لیکن وہ حزقیل کی پیشین گوئی کا محمل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ۶۲۳ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی

اب ایک سوال اور غور طلب ہے ۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی ، وہ درۂ داریاں کی سد ہے ، یا دربند کی دیوار ؟ یا دونوں ؟

قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا ، اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا ، اُس نے درمیان کا حصّہ پاٹ کے برابر کر دیا ، اُس نے پگھلا ہُوا تانبا استعمال کیا ۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں ۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے ، اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے ۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا ۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا ۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے ۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے ، اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے ۔ چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا ، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں " آہنی دروازہ " کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے ۔ اسی کا ترجمہ ترکی میں " دامرکپو " [1] مشہور ہو گیا ۔

---

[1] ترجمہ دربند نامہ از کاظم بک صفحہ ۱۲۱ ، پروفیسر جیکسن نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے ، اور اسے قدیم ایّام کے نام سے تعبیر کیا ہے (فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو ہوم آف عمر خیام صفحہ (۶)

سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے - یہ ایران کے قدیم دارالحکومت استخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے - یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا - اب اس کا بقیہ صرف چند مرمری ستون رہ گئے ہیں - ان ہی میں سے ایک مربع ستون پہ یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا -

سب سے پہلے ۱۸۳۵ء میں جیمس موریر (James Morier) نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا - پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پورٹر (Robert Kerr Porter) نے اس مقام کی علمی پیمائش و تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائی اور اپنے سفرنامہ جارجیا و ایران میں مجسمہ کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے ہاتھ سے تیار کی تھی - اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا - تاہم یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے - بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی - پھر ۱۸۸۴ء میں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L'art Antique Enhense) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا اور اس طرح مجسمہ

گئی ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے، اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں لفظ Jew کا مقالہ دیکھنا چاہئے۔

ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔ کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزا کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں، ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔

استدراک

(۱) ہم نے سائرس کے جس مجسمہ کا اوپر ذکر کیا ہے، اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ "ذوالقرنین" اسی کا لقب تھا، وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے۔ اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی

واکہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی
تعلق رکھتا ہے، اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ
میں آچکی ہے۔ خواہ یہ پیشین گوئیاں بعد کو بنائی
فی الحقیقت بیشتر کی ہوں۔ لیکن یہ ظاہر ہو
کے لئے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو
ٹھیک ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمہ میں
ہے۔

کی اصل نوعیت دنیا کے سامنے آگئی۔

اُس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے "ذوالقرنین" کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ہوگئی ہو۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقیناً ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ہے۔

(۲) اس مجسمہ میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف میں عقاب کے سے پر۔ سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا۔ لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے؟ اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مل جاتا ہے۔ اس میں جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ۔

"دیکھو! میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آکر میری ساری مرضی پوری کرے گا۔"

زباب ۴۶: ۱۱

مایۂ ناز پیش کش

شہادتِ حسینؑ	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد
ولادتِ نبویؐ	〃 〃 〃
حضرت یوسفؑ	〃 〃 〃
نبیؐ اور یارانِ نبیؐ کے آخری لمحات	〃 〃 〃
اکابرِ اسلام کے آخری لمحات	〃 〃 〃
عیدین	〃 〃 〃
نظامِ حکومتِ اسلامیہ	〃 〃 〃
السیدہ فاطمہ بنتِ عبداللہ	〃 〃 〃
تربیتِ عسکری اور قرآنِ حکیم	〃 〃 〃
ذوالقرنین	〃 〃
پردہ قید کی علامت ہے یا آزادی کی ضمانت	〃 〃
خلافت	〃 〃 〃
عورتوں کی آزادی اور فرائض	〃 〃 〃

9802

(مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم)

شہادت حسین		۰ —/۱۰ — ۰
ولادت نبوی		۰ —/۱۰ — ۰
حضرت یوسف		۰ —/۱۰ — ۰
نبی اور یاران نبی کے آخری لمحات } × [illegible]		۰ —/۱۰ — ۰
اکابر اسلام کے آخری لمحات		۰ —/۱۰ — ۰
عیدین		۰ —/۱۰ — ۰
نظام حکومت اسلامیہ		۰ —/۱۰ — ۰
السیدہ فاطمہ بنت عبداللہ		۰ —/۱۰ — ۰
تربیت عسکری اور قرآن حکیم		۰ —/۱۰ — ۰
ذوالقرنین		۰ —/۱۰ — ۰
پردہ قید کی علامت ہے یا آزادی کی ضمانت		۰ —/۱۰ — ۰
عورتوں کی آزادی اور فرائض		۰ —/۱۰ — ۰
خلافت		۰ —/۱۰ — ۰
حقیقت حکم دفاع		۰ —/۱۰ — ۰
فضائل دفاع		۰ —/۱۰ — ۰
× کاروانِ خیال		۰ —/۱۰ — ۰
مساجد اسلامیہ اور خطبات سیاسیہ		۰ —/۱۰ — ۰
- غبار خاطر (چار حصے)؟	فی حصہ	۰ —/۱۰ — ۰
تذکرہ	” ”	۰ —/۱۰ — ۰
ترجمان القرآن	فی پارہ	۰ —/۱۰ — ۰
اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان		۰ —/۱۰ — ۰
پابندیٔ عہد اور قرآن حکیم		۰ —/۱۰ — ۰
[illegible]		۰ —/۱۰ — ۰
مذاکرہ نزولِ قرآن		۰ —/۱۰ — ۰

سورہ ۱۸ : ۸۳ : ذوالقرنین

قرن = سینگ . ذو[illegible] ذوعابہ ؟ دولٹیں گ

[illegible] زمانہ [illegible] کا [illegible] تھا - وہ ۵ روشن اور تاریک ملکوں [illegible]

[illegible] لسان العرب جلد

[illegible]:

کتاب = قصص الانبیا

[illegible] (ترجمہ)

[illegible] (قرآن)

[illegible] (الشریف العرب) (تاج العروس)

کیمل اسپیک (?)

ذوالنون صوفی

ذوالرمہ (فرزدق کے زمانے کا شاعر)

ذوالشرا (ایک قدیم عربی دیوتا)

ذوالقرنین : ترجمہ سینگ یعنی جس کے دو سینگ تھے
(سوسہ میں)

جوپیٹر امون - کے دو سینگ تھے

(۱) منذر الاکبر بن ماء السماء النعمان بن منذر کا
اشد لشاعر [illegible] فی الحرب [illegible]
لدیٰ ما عارض الملک المتاح (امرأ القیس)

(۲) تبع الاقرن (ذوالقرنین)

(۳) سکندر اعظم (سورہ ۱۸ : ۸۲)

قرن القوم سیدهم